کیا زکوٰۃ عبادت ہے یا ٹیکس؟

ابو شہاب رفیع اللہ

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، اور شریعتِ اسلامی نے زندگی کے ہر شعبے کے بارے میں چاہے وہ انفرادی ہے یا اجتماعی، واضح احکام دیئے ہیں۔ چنانچہ زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح معاشی زندگی کے بارے میں بھی، چاہے وہ کسی فرد کی معاشی زندگی ہو یا کسی ملک کا مالی نظام، ہماری واضح رہنمائی کی گئی ہے۔ ہمارے ملک میں لوگوں کی زندگیوں کو اسلامی خطوط پر ڈھالنے کی جو کوششیں کی جا رہی ہیں، اس کا ایک لازمی عنصر یہ بھی ہے کہ ملک کے مالیاتی نظام کو بھی اسلامی سانچے میں ڈھالا جائے۔

اس سلسلے میں جو کوششیں ہو رہی ہیں، اُن سے یہ بنیادی سوال اُبھر کر سامنے آیا ہے کہ کیا زکوٰۃ جو اسلام کے معاشی نظام کے لئے اہم ستون کی حیثیت رکھتی ہے، عبادت ہے یا ٹیکس۔ اگر یہ عبادت ہے تو اسلامی حکومت کو کام چلانے کے لئے مزید ٹیکس لگانے ہوں گے اور زکوٰۃ صرف فقراء پر خرچ ہوگی۔ اور اگر یہ اسلامی حکومت کے ٹیکس کی حیثیت رکھتی ہے تو پھر اسے حکومت کا کام چلانے میں بھی صرف کیا جا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بحث کہ زکوٰۃ عبادت ہے یا عبادت نہیں؟ کوئی نئی نہیں۔ بلکہ سلف صالحین کے زمانے میں بھی یہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض اسے خالص عبادت قرار دیتے ہیں اور بعض کا فتویٰ اس کے برعکس ہے۔ یہ کوئی معمولی اختلاف نہیں تھا اس لئے اس کی وجہ سے زکوٰۃ کے تفصیلی احکام میں بڑے بڑے اختلاف واقع ہوئے ہیں۔ علامہ ابنِ رشد قرطبی ایسے اختلافات کو یان کرتے وقت بار بار اس اصول کا حوالہ دیتے ہیں کہ یہ اختلاف اس وجہ سے ہیں کہ بعض ائمہ کے نزدیک وٰۃ عبادت ہے اور بعض کے نزدیک نہیں۔ مثلاً عبادت نابالغ پر فرض نہیں ہے۔ اس لئے جن قہاء کے نزدیک یہ عبادت ہے، ان کے مسلک کے مطابق نابالغ کے مال پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔ لیکن

جن ائمہ و فقہاء کے نزدیک یہ عبادت نہیں ہے۔ ان کے نزدیک نابالغ کے مال سے بھی زکوٰۃ لی جائے گی۔ چنانچہ اس حقیقت کو وہ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں :۔

"وسبب اختلافهم فی ایجاب الزکوٰة علیه ولا ایجابها هو اختلافهم فی مفهوم الزکاة الشرعیة هل هِیَ عبادةٌ کالصلوٰة والصیام ام هی حقٌّ واجبٌ للفقراء علی الاغنیاء۔ فَمَنْ قالَ انّها عبادةٌ اشترط فیها البلوغ و من قال انّها حقٌّ واجبٌ للفقراءِ والمساکین فی اموال الاغنیاء لم یعتبر فی ذلك بلوغاً۔" [1]

(اور نابالغ پر زکوٰۃ کے فرض ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں ان کے اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ فقہاء کے نزدیک زکوٰۃ کے شرعی مفہوم میں اختلاف ہے کہ آیا یہ نماز، روزہ کی طرح عبادت ہے یا یہ غریبوں کی امداد کے لئے امیروں پر حق واجب ہے۔ پس جو کہتے ہیں کہ یہ عبادت ہے وہ ان کے لئے بلوغ شرط قرار دیتے ہیں (یعنی ان کے نزدیک نابالغ کے مال پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے، اور جو کہتے ہیں کہ یہ امیروں کے مال میں غریبوں اور مسکینوں کا حق ہے (اور عبادت نہیں ہے، تو ان کے نزدیک نابالغ کے مال سے بھی زکوٰۃ لی جائے گی،

صحابہ کرام میں سے حضرت علیؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت جابرؓ، حضرت عائشہؓ اور فقہاء میں سے امام مالکؒ۔ امام شافعیؒ۔ امام الثوریؒ۔ امام احمد اسحاقؒ اور ابو ثورؒ کا یہی مسلک ہے [2]

امام شافعیؒ زکوٰۃ کو عبادت تصوّر نہیں کرتے

حنفی فقہ کی کتابوں میں عام طور پر امام شافعی کا مسلک ضرور دیا جاتا ہے۔ چنانچہ حنفی فقہ کی مشہور کتاب ھدایہ شریف میں جہاں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ احناف کے نزدیک عبادت ہے وہاں امام شافعی کے نزدیک یہ زمین کے خراج کی طرح مالی چٹی (ٹیکس) ہے۔ ھدایہ کے اصل الفاظ ملاحظہ ہوں :۔

(ولیس علی الصبی والمجنون زکاة) خلافاً للشافعی رحمة الله علیه فانه یقول هی غرامةٌ مالیةٌ فتعتبرُ بسائر المئون لنفقةِ الزوجات والعشر و خراج ولنا انّها عبادةٌ۔ [3]

---

[1] بدایۃ المجتہد جلد ۱ صفحہ ۲۳۶-۲۳۷۔ [2] ایضاً۔ [3] ھدایہ مع شرح فتح القدیر جلد ۱ صفحہ ۴۸۳

(حنفیہ کے نزدیک) بچے اور مجنون پر کوئی زکوٰۃ نہیں، لیکن امام شافعی کے نزدیک یہ ان پر بھی فرض ہے کیوں کہ وہ اسے مالی جرمانہ سمجھتے ہیں۔ جس کی حیثیت بیویوں کے اخراجات، عشر زمین یا خراج کی طرح ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ عبادت ہے)۔

غَرامۃ کے لغوی معنی

لغت میں غرامۃ کے معنی یوں کئے جاتے ہیں مایلزم ادأدہٗ من المال مایعطی من المال علی کرہٍ۔ او الضرر والمشقۃ۔ یعنی جس مال کا دینا لازمی ہو اور جو ناپسندی کے باوجود زبردستی دیا جائے یا تکلیف یا مشقت سے دیا جائے۔ امام شافعی کے مسلک میں ایک اور بات بھی قابلِ غور ہے۔ وہ زکوٰۃ کو خراج سے مشابہ قرار دیتے ہیں۔ اور خراج کو احناف بھی ٹیکس ہی شمار کرتے ہیں۔ جو غیر مسلموں کی زمینوں سے لیا جاتا ہے۔ بلکہ وہ تو عشر کے متعلق بھی کچھ اسی قسم کا نظریہ رکھتے ہیں حالاں کہ مسلمانوں کی زمینوں سے لیا جاتا ہے۔ اور اس میں اگر عبادت کا کچھ مفہوم ہے تو اسے ٹیکس کے تابع سمجھا جاتا ہے۔

بخلاف الخراج لانہٗ مؤنۃ الارض وکذا الغالب فی العشر معنی المؤنۃ و معنی العبادۃ تابعٌ۔ [۴] ------ (خراج کے بخلاف کہ یہ زمین کا ٹیکس ہے اور اسی طرح عشر میں غالب مفہوم ٹیکس کا ہے اور عبادت کا مفہوم اس کے تابع ہے۔)

دوسری حکومتیں جن مقاصد کے لئے ٹیکس وصول کرتی ہیں، اسلام میں وہی مقاصد زکوٰۃ سے پورے ہوتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنی مشہور تصنیف حجۃ اللہ البالغۃ میں اسے بڑی تفصیل سے بیان فرماتے ہیں: ”وایضاً نظام المدینۃ یتوقف علی مال یکون بہ قوام معیشۃ الحفظۃ الذابین عنہا والمدبرین والسائسین بہا وکما کانوا عاملین للمدینۃ عملاً نافعاً مشغولاً بہ عن اکتساب کفافہم وجب ان یکون قوام معیشتہم علیہا والانفاقات المشترکۃ لاتسہل علی البعض او لاتقدر علیہا البعض فوجب ان تکون جبایۃ الاموال من الرعیۃ۔“ [۵]

(اور نیز شہر کا انتظام اس پر موقوف ہے کہ ایک مال مجتمع رہے، جس سے ان لوگوں کی پرورش کی جائے جو شہر کی حفاظت میں مصروف رہتے ہیں، اور چونکہ وہ لوگ جو شہر کے رفاہِ عام کے کاموں میں مشغول ہو

---

[۴] ہدایہ مع شرح فتح القدیر جلد ۱ صفحہ ۴۸۵ مطبوعہ مصر، [۵] حجۃ اللہ البالغۃ نور محمدی جلد ۲ صفحہ ۱۲۱

(حنفیہ کے نزدیک) بچے اور مجنون پر کوئی زکوٰۃ نہیں، لیکن امام شافعی کے نزدیک یہ ان پر بھی فرض ہے کیوں کہ وہ اسے مالی جرمانہ سمجھتے ہیں۔ جس کی حیثیت بیویوں کے اخراجات، عشر زمین یا خراج کی طرح ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ عبادت ہے)۔

غَرَامَۃ کے لغوی معنی

لغت میں "غرامۃ" کے معنی یوں کئے جاتے ہیں مایلزم اداؤہ من المال ما یعطی من المال علی کرہٍ۔ او الضرر و المشقۃ۔ یعنی جس مال کا دینا لازمی ہو اور جو ناپسندی کے باوجود زبردستی دیا جائے یا تکلیف یا مشقت سے دیا جائے۔ امام شافعی کے مسلک میں ایک اور بات بھی قابلِ غور ہے۔ وہ زکوٰۃ کو خراج سے مشابہ قرار دیتے ہیں۔ اور خراج کو احناف بھی ٹیکس ہی شمار کرتے ہیں۔ جو غیر مسلموں کی زمینوں سے لیا جاتا ہے۔ بلکہ وہ تو عشر کے متعلق بھی کچھ اسی قسم کا نظریہ رکھتے ہیں حالاں کہ مسلمانوں کی زمینوں سے لیا جاتا ہے۔ اور اس میں اگر عبادت کا کچھ مفہوم ہے تو اسے ٹیکس کے تابع سمجھا جاتا ہے۔

بخلاف الخراج لانّہٗ مؤنۃ الارض وکذا الغالب فی العشر معنی المؤنۃ و معنی العبادۃ تابعٌ۔ [4] ------ (خراج کے بخلاف کہ یہ زمین کا ٹیکس ہے اور اسی طرح عشر میں غالب مفہوم ٹیکس کا ہے اور عبادت کا مفہوم اس کے تابع ہے۔)

دوسری حکومتیں جن مقاصد کے لئے ٹیکس وصول کرتی ہیں۔ اسلام میں وہی مقاصد زکوٰۃ سے پورے ہوتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنی مشہور تصنیف حجۃ اللہ البالغۃ میں اسے بڑی تفصیل سے بیان فرماتے ہیں: "وایضاً نتظام المدینۃ یتوقف علی مال یکون بہ قوام معیشۃ الحفظۃ الذابین عنہا والمدبرین والسائسین بہا وکما کانوا عاملین للمدینۃ عملاً نافعاً مشغولاً بہٖ عن اکتساب کفافہم وجب ان یکون قوام معیشتہم علیہا والانفاقات المشترکۃ لاتسہل علی البعض اولا تقدر علیہا البعض فوجب ان تکون جبایۃ الاموال من الرعیۃ۔" [5]

(اور نیز شہر کا انتظام اس پر موقوف ہے کہ ایک مال مجتمع رہے، جس سے ان لوگوں کی پرورش کی جائے جو شہر کی حفاظت میں مصروف رہتے ہیں، اور چونکہ وہ لوگ جو شہر کے رفاہِ عام کے کاموں میں مشغول ہو

---

[4] ہدایہ مع شرح فتح القدیر جلد ۱ صفحہ ۴۸۵ مطبوعہ مصر، [5] حجۃ اللہ البالغۃ نور محمدی جلد ۲ صفحہ ۱۲۱

کر اپنے اکتساب معاش سے باز رہتے ہیں تو ان کی پرورش بھی شہر کے ذمہ ہونی چاہیئے اور مشترکہ اخراجات کے بعض تو بسہولت کفیل نہیں ہو سکتے یا بعض ان کو برداشت ہی نہیں کر سکتے۔ اس واسطے ضروری ہوا کہ رعایا کے مال میں سے کچھ حصہ لینا مقرر کیا جائے)۔

شاہ صاحب نے زکوٰۃ کی وصولی کے لئے جبایۃ کا لفظ استعمال کیا ہے جو خراج یا ٹیکس اکٹھا کرنے کے لئے بولا جاتا ہے اس لئے اس سے جو اسم مفعول یعنی المجبی بنتا ہے تو اس کے معنی بھی خراج یا ٹیکس کے ہیں۔ (المنجد)

یہی نہیں بلکہ ذرا آگے چل کر شاہ صاحب زکوٰۃ کے لئے ضرائب کا لفظ استعمال کرتے ہیں جس کے معنی ٹیکس کے ہیں۔ وجوب زکوٰۃ کے سلسلے میں فرماتے ہیں:۔ "والرابع ان تلزم ضرائب على رؤس الكاسبين فانهم عامة الناس واكثرهم واذا جبّى من كلٍّ منهم شئ يسيرٌ كان خفيفاً عليهم عظيم الخطر فى نفسه ولمّا كان دوران التجارات من البلدان النائية وحصاد الزرعِ وجنى الثمرات فى كلّ سنةٍ وهى اعظم انواع الزكوٰة قدر الحول لها۔"[۶]

(چہارم یہ ہے کہ کمانے والوں پر کچھ ٹیکس مقرر کیا جائے کیوں کہ وہ مخلوق میں عام اور بکثرت ہوتے ہیں اور جب ہر ایک سے تھوڑا تھوڑا ٹیکس وصول کیا جائے گا تو ان کو ادا کرنا آسان ہوگا اور وہ فی نفسہ کبیر ہوگا۔ اور چونکہ دُور کے شہروں سے تجارتوں کا جاری رہنا اور کھیتوں کا کٹنا اور پھلوں کا توڑا جانا سال میں ایک بار ہوتا ہے اور زکوٰۃ کی قسموں میں یہ قسم سب سے بڑی ہے۔ اس لئے ان چیزوں کے لئے ایک سال کی مدت مقرر کی گئی ہے۔

احادیث اور زکوٰۃ

امام شافعی اور دوسرے فقہاء کا زکوٰۃ کو عبادت تسلیم نہ کرنا یا شاہ ولی اللہؒ کا اسے ٹیکس سے مشابہ قرار دینا کوئی ان حضرات کا اپنا اجتہاد نہیں، بلکہ حضور صلعم کی ایسی کئی احادیث ہیں جن سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ اس مضمون کی ایک سے زائد احادیث ہیں کہ چاہے حکمران طبقہ کتنا ہی کیوں نہ بگڑ جائے، شراب پینے کا عادی ہو جائے، اور وہ زکوٰۃ کی رقم کو بھی فضول خرچیوں میں اُڑا دیں۔ تو تب بھی

---

[۶] ایضاً صفحہ ۱۲۳۔

یہ حکومت ہی کا حق ہے اور اسے ہی ادا کی جائے۔ علامہ شوکانی ایسی کئی احادیث "براءۃ رب المال بالدفع الی السلطان مع العدل والجور" کے عنوان کے تحت لائے ہیں انہی میں سے ایک حدیث ملاحظہ ہو:-

"وعن وائل بن حجر قال سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ والہ وسلم ورجلٌ یسالہٗ فقال ارأیت ان کان امراءٌ یمنعون حقنا ویسالونا حقھم؟ فقال اسمعوا واطیعوا۔ فانما علیھم ما حملوا وعلیکم ما حملتم (رواہٗ مسلم والترمذی۔ وصححہٗ)"[۷]

(حضرت وائل بن حجر سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا اور ایک آدمی آپ سے دریافت کر رہا تھا۔ اس شخص نے کہا کہ اگر امراء ہمارے حقوق کو پورا نہ کریں اور ہم سے حکومت کا حق طلب کریں۔ تو حضور صلعم نے فرمایا کہ تمہیں ان کی مکمل اطاعت کرنی چاہیئے۔ وہ اس چیز کے ذمہ دار ہیں جو ان پر فرض ہے اور تم کو اپنے فرض کو پورا کرنا ہے)۔

اس حدیث کی تشریح میں جو واقعات اس کے ذیل میں دیئے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک دو ملاحظہ ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک شخص نے ایسا ہی سوال کیا کہ ان لی مالا فالی من ادفع زکاتہٗ؟ کہ میں اپنے مال کی زکوٰۃ کسے دوں؟ تو آپ نے فرمایا۔ ادفعھا الی ھولاءِ القوم یعنی الامراء۔ اذا یتخذون بھا ثیاباً وطیبا قال وان۔ کہ ان امراء سلطنت کو دو۔ سائل نے کہا وہ تو عیش میں اُڑا دیں گے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس کے باوجود بھی زکوٰۃ انہی کو دی جائے[۸]۔ ایک دوسری روایت میں آپ نے فرمایا کہ:۔ "ادفعوا صدقۃ اموالکم الی من ولاہ اللہ اَمرکم فمن بر فلنفسہٖ ومن اثم فعلیھا:[۹] کہ تم اپنے مالوں کی زکوٰۃ ان والیانِ حکومت کے سُپرد کرو جو اللہ تعالےٰ نے تم پر مقرر کیئے ہیں۔ جو نیکی کرے گا تو اس کے کام آئے گی اور جو زیادتی کرے گا تو وہ بھی اس کا ذمہ دار ہے۔

اور ایسا ہی مسلک حضرت ابوبکرؓ، حضرت مغیرہؓ اور حضرت عائشہؓ سے منقول ہے[۱۰]۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اس قسم کی ایک اور روایت بھی نقل کی گئی ہے جو بیہقی نے روایت کی ہے:۔ واخرج البیھقی ایضاً عن ابن عمرؓ باسنادٍ صحیحٍ انہ 'قال ادفعوھا الیھم وان شربوا الخمور[۱۱]۔

---

[۷] نیل الاوطار جلد ۴ صفحہ ۱۶۵ [۸] ایضاً" [۹] ایضاً" [۱۰] ایضاً" [۱۱] ایضاً"

(حضرت عبداللہ بن عمر سے یہ صحیح روایت منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم زکوٰۃ والیانِ حکومت کو دو چاہے وہ شرابی ہی کیوں نہ ہوں۔

ظالم حکومت کو زکوٰۃ دہی

علامہ شوکانی ان تمام نظائر کو نقل کرنے کے بعد جمہور فقہاء کا مسلک ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں:۔

والاحادیث المذکورۃ فی الباب استدّل بہا الجمہور علی جواز دفع الزکوٰۃ الی سلاطین الجور واجزائہا۔ [12] اور اس باب میں مذکور احادیث سے جمہور فقہاء نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ ظالم بادشاہوں کو بھی زکوٰۃ دینی جائز ہے۔

اب اس باب کی اصل حدیث پر غور فرمائیں جس میں حضور صلعم نے خود اپنی زبان مبارک سے زکوٰۃ کو سلاطین یا حکومت کا حق قرار دیا ہے۔ کیا خالص عبادت بھی ظالم سلاطین یا ظالم حکومتوں کا حق ہو سکتی ہے جنانچہ ان نظائر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کے عبادت ہونے یا نہ ہونے میں جو اختلاف ہے، اس کی بنیاد فرمان نبوی اور صحابہ کرام کے فیصلے ہیں۔ اس حدیث میں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ حکمران رعیت کے حقوق پورا کرنے کے عوض زکوٰۃ وصول کرتے تھے۔ فقہاء نے دوسری جگہ اس اصول کو بیان کیا ہے۔ وہ اصول یہ ہے کہ الجبایۃُ بالحمایۃ۔ کہ لوگوں سے مال کا حق (خراج یا ٹیکس) تب ہی اکٹھا کیا جائے جب ان کے مال و جان کی حفاظت کی ذمہ داری پوری کی جائے۔ اس اصول کی وضاحت فقہ کی اس نظیر سے ہوگی کہ مثلاً اگر امام کی کمزوری کی وجہ سے کوئی باغی گروہ رعیت کے کسی حصے سے زبردستی زکوٰۃ وصول کرلے تو لوگوں کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور امام کو دوبارہ مطالبہ کرنے کا حق نہیں کیونکہ اس نے اپنی رعیت کے جان و مال کی ذمہ داری کو پورا نہیں کیا:۔

واذا اخذ الخوارج الخراج وصدقۃ السوائم لا یثنی علیھم لان الامام لم یحمھم والجبایۃ بالحمایۃ۔ [13] اور جب خوارج کسی علاقہ سے زبردستی خراج اور زکوٰۃ وصول کرلیں تو وہاں کے لوگوں سے حکومت دوسری بار زکوٰۃ وصول نہیں کر سکتی کیونکہ امام نے ان کی حفاظت نہیں کی اور اصول یہ ہے کہ رعیت سے مال کا حق تب طلب کیا جائے جب ان کی حفاظت کی جائے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ اور خراج حکومت کے وہ حقوق (ٹیکس) ہیں جو وہ اپنی رعیت سے ان کے جان و مال کی حفاظت کے عوض لیتی ہے۔ دوسری حکومتیں جو ٹیکس وصول کرتی ہیں، ان کے مقاصد بھی تقریباً یہی ہوتے ہیں

---

[12] ایضاً۔ [13] ہدایہ مع شرح فتح القدیر جلد۱ صفحہ ۵۱۲

شاہ ولی اللہؒ نے ان مقاصد پر بڑی تفصیل سے بحث فرمائی ہے۔ اس مقام پر ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اسے من وعن نقل کر دیا جائے :۔

(۱) الاوّل ان توخذ من حواشی الاموال النامیة فانها احوج الاموال الی الذب عنها[14] اوّل یہ کہ زکوٰۃ اموال نامیہ میں سے لی جائے کیونکہ انہی اموال کی زیادہ حفاظت کرنی پڑتی ہے۔

(۲) والثانی ان توخذ من اهل الدثور والکنوز لانهم احوج الناس الی حفظ المال من السراق وقطاع الطریق[15] اور دوم یہ کہ زکوٰۃ ان لوگوں سے لی جائے جو متمول اور صاحب خزانہ ہیں۔ کیونکہ سب سے زیادہ ان کو چوروں سے اور لٹیروں سے مال کی حفاظت کی ضرورت ہے۔

(۳) والثالث ان توخذ من الاموال النافعة التی ینالها الناس من غیر تعب کدفائن الجاهلیة وجواهر العادین فانها بمنزلة المجّان یجب علیهم الانفاق منه[16] اور سوم یہ کہ زکوٰۃ ان اموال نافعہ سے لی جائے جو لوگوں کو بغیر مشقت کے حاصل ہوتے ہیں جیسے زمانہ جاہلیت کے دفینے اور دشمنوں سے ہاتھ لگے ہوئے خزائن۔ کیونکہ وہ بمنزلہ مفت کے ہوتے ہیں جن میں زکوٰۃ کا دینا آسان ہے۔

(۴) والرابع ان تلزم ضرائب علی رؤس الکاسبین فانهم عامة الناس واکثرهم واذا جبی من کلّ منهم شیٔ یسیرٌ کان خفیفاً علیهم عظیم الخطر فی نفسه[17]۔ چہارم یہ کہ کمانے والوں پر کچھ ٹیکس مقرر کیا جائے کیونکہ وہ مخلوق میں عام اور بکثرت ہوتے ہیں اور جب ہر ایک سے تھوڑا تھوڑا ٹیکس وصول کیا جائے گا تو ان کو ادا کرنا آسان ہوگا اور درحقیقت وہ بہت بڑا ہوگا۔

اس سے ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں :۔ والسر فی ذلك انّ الحاجات غیر محصورة ولیس فی بیت المال فی البلاد الخالصة للمسلمین غیر زکوٰة کثر مالٍ فلابد من توسعه لتکفی نوائب المدینة واللّٰه اعلم[18] اور ان شہروں میں جن کے باشندے صرف مسلمان ہی ہیں، بیت المال میں سوائے زکوٰۃ کے اور کوئی مال کثیر نہیں ہوتا۔ اس واسطے اس میں وسعت دینا ضروری ہے تاکہ وہ مال شہر کی ضروریات کو کافی ہو سکے۔

آج بھی علماء کو یہ تسلیم ہے کہ زکوٰۃ حکومت کو مال وجان کی حفاظت کے عوض ادا کی جاتی ہے۔ مولانا ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں۔ حکومت کو اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق اسی وقت ہے جبکہ وہ ڈاکوؤں، چوروں سے ان

---

[14] حجۃ اللہ البالغۃ جلد ۲ صفحہ ۱۳۲ - [15] ایضاً صفحہ ۱۳۳

[16] حجۃ اللہ البالغۃ جلد ۲ صفحہ ۱۳۳ - [18] ایضاً صفحہ ۱۴۸

اموال کی حفاظت کا انتظام کرتی ہو۔ اگر بد نظمی اور تعطل حدود کی وجہ سے لوگوں کے مال محفوظ نہ ہوں، تو حکومت کو مطالبۂ زکوٰۃ کا حق نہیں [19]

قارئین اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہوں گے کہ دوسری حکومتوں میں بھی ٹیکس اپنی مفاصد کے لئے لئے جاتے ہیں۔ یعنی لوگوں کی مال وجان کی حفاظت کے لئے اور ان کی بہبود کے لئے۔ اسلامی حکومت میں یہی مقاصد زکوٰۃ سے پورے کئے جاتے ہیں۔

زکوٰۃ کے علاوہ ٹیکس

آج کل کہا جا رہا ہے کہ زکوٰۃ عبادت ہے اس کے مصارف صرف غرباء اور فقراء تک محدود ہوں گے اور اسلامی حکومت کو اپنا کاروبار چلانے کے لئے علیحدہ ٹیکس لگانے ہوں گے۔ ان حضرات کے الفاظ میں: یہ مفروضہ بھی قطعاً غلط ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی زکوٰۃ کے سوا اور کوئی ٹیکس مسلمانوں پر عائد نہیں کیا۔ حدیث کی تمام کتابوں میں حسب ذیل حدیث ڈاکٹر صاحب کی علانیہ تردید کر رہی ہے: بلاشبہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے (بخاری۔ ترمذی) یعنی صرف زکوٰۃ ادا کر کے مسلمانوں کی ذمہ داری ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ ملک و ملت کی دیگر سماجی، معاشرتی اور دفاعی ضروریات کے لئے بھی تم سے مال خرچ کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا اور اس مطالبہ کو ادا کرنا بھی اسی طرح تمہارا فرض ہوگا، جس طرح زکوٰۃ ادا کرنا تم پر فرض ہے۔ چونکہ یہ ضروریات غیر محدود ہیں اس لئے اس حق کی بھی کوئی تحدید نہیں کی گئی۔" [20]

ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہاں جس حدیث سے استدلال کیا جا رہا ہے، وہ ائمہ حدیث کے نزدیک ضعیف ہے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ بات ہے کہ تمام فقہاء اُمت کا اس بات پر اجماع ہے کہ مال میں زکوٰۃ کے سوا کچھ بھی لازم نہیں۔

علامہ ابوبکر ابن العربی احکام القرآن میں اس حدیث اور نظریہ کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ویحتج بحدیث یروی عن فاطمة بنت قیس انّ النبی صلے اللہ علیہ وسلّم قال فی المالِ حق سوی الزکاة۔ وھذا ضعیفٌ لایثبت عن الشعبی ولا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلّم و لیس فی المال حقٌّ سوی الزکوٰۃ [21] اور اس سلسلے میں حضرت فاطمہ بنت قیس کی اس حدیث سے

---

[19] ماہنامہ ترجمان القرآن جلد ۳۴ عدد ۵ صفحہ ۶۸۔ [20] رسالہ بیّنات کراچی ربیع الاوّل ۱۳۸۶ھ صفحہ ۴۹

[21]۔ احکام القرآن جلد ۱ صفحہ ۵۹

دلیل لائی جاتی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ مال میں زکوٰۃ کے سوا بھی حق یا فرض ہے اور یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ نہ تو الشعبی سے اور نہ رسول اللہ صلعم سے اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ مال میں زکوٰۃ کے سوا کوئی ٹیکس نہیں

خیال رہے کہ اس حدیث میں "حق" کا جو لفظ استعمال کیا گیا ہے، علماء حضرات بھی اس کے معنی ٹیکس ہی کے لے رہے ہیں۔ جو زکوٰۃ کے علاوہ ہوگا۔ قارئین اس مضمون میں کئی مقامات پر دیکھیں گے کہ سلف صالحین نے زکوٰۃ کے لئے بھی "حق" کا لفظ ہی استعمال کیا ہے۔

اب تمام فقہاء امت کا اجماع ملاحظہ ہو کہ مسلمانوں میں کے مال میں زکوٰۃ کے علاوہ کوئی دوسرا ٹیکس یا حق نہیں۔ علامہ شعرانی کتاب الزکوٰۃ کے شروع میں جن مسائل پر فقہاء امت کا اجماع نقل کرتے ہیں، ان میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے :-

اجمع العلماء ۔ ۔ ۔ ۔ علی انّہٗ لیس فی المال سوی الزکاۃ [۲۲] فقہاء کا اس امر پر اجماع ہے کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ کوئی ٹیکس نہیں۔ خیال رہے کہ یہاں فرض زکوٰۃ اور ٹیکس کی بحث ہے۔ ویسے اگر کوئی مؤمن جتنا مال بھی خدا کی راہ میں خرچ کرے گا، وہ مستحسن ہے اور ایسا شخص عنداللہ ماجور ہوگا۔ تاہم قانونی طور پر اسلامی حکومت صرف فریضہ زکوٰۃ کا ہی مطالبہ کر سکتی ہے۔ ہم حیران ہیں کہ علماء حضرات کس طرح بغیر تحقیق کے فتوے صادر فرما دیتے ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ ایک طرف تو فقہاء امت کا اس پر اجماع ہے کہ مال میں زکوٰۃ کے سوا کچھ بھی فرض نہیں اور اس کے خلاف جو حدیث پیش کی جا رہی ہے وہ کیا محدثین اور کیا فقہاء سب کے نزدیک ضعیف ہے۔ لیکن یہ حضرات ہیں کہ اسے اسلامی حکومت کے مالیاتی نظام کی بنیاد قرار دے رہے ہیں۔ زکوٰۃ کے عبادت نہ ہونے کے بارے میں ان دلائل کے علاوہ اور بھی بہت سے نظائر ہیں جن سے امام شافعی اور ان کے مسلک کے دوسرے آئمہ اور فقہاء کے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ زکوٰۃ عبادت نہیں ہے۔ ان میں سے مندرجہ ذیل نظائر کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

(۱) عبادات پر اُجرت لینے کی حرمت

جمہور فقہا کے نزدیک قریب قریب اس بات پر اتفاق ہے کہ عبادات پر اُجرت لینا جائز نہیں تفصیل یہ ہے:

الحنفیۃ : امّا الاجارۃ علی الطاعات فاصول مذھب الحنفیۃ تقتضی انّھا غیر صحیحۃٍ ایضاً لانّ کلّ طاعۃ تختص بھا المسلم لا یصح الاستجار علیھا [۲۳]۔ حنفی مذہب کے

---

[۲۲] المیزان الکبری جلد ۲ صفحہ ۲ ۔ [۲۳] الفقہ علی المذاہب الاربعۃ جلد ۳ صفحہ ۱۶۹

اصول کا تقاضا یہ ہے کہ عبادت پر اُجرت صحیح نہیں ہے کیونکہ جو عبادت مسلمان کے ساتھ ہے، اس پر اُجرت صحیح نہیں ہے۔

دوسرے ائمہ کا بھی تقریباً یہی مسلک ہے۔ مثلاً حنابلہ یہ فرماتے ہیں:۔ ومنھا انہ لا تصح الاجارۃ علی فعل قربۃ للہ تعالیٰ کالحج والصلوٰۃ والاذان والامامۃ۔ [۲۴] حنابلہ کے نزدیک بھی جو فعل اللہ تعالیٰ کی قربت کے لئے کئے جائیں (یعنی عبادت) اُن پر اُجرت صحیح نہیں ہے جیسے حج۔ نماز۔ آذان۔ امامت نماز وغیرہ ہے لیکن اس اصول کے برعکس عامل زکوٰۃ نص قرآنی کے مطابق زکوٰۃ سے اجرت کا حق دار ہے اور یہ عامل کوئی ایک شخص نہ ہوتا تھا، بلکہ پورے کا پورا محکمہ ہوتا تھا۔ اس زمانے میں اس محکمہ میں کم از کم مندرجہ ذیل عہدہ دار تھے:۔ "ویدخل فی العامل الساعی والکاتب، والقاسم، والحاشر الذی یجمع الاموال وحافظ المال والعریف وھو کالنقیب للقبیلۃ وکلھم عمال" [۲۵] عامل کے لفظ کے اندر تحصیل دار، منشی، تقسیم کرنے والا، مال اکٹھا کرنے والا، خزانچی اور رکھیا سب شامل ہیں۔ یہ سب کے سب زکوٰۃ کے سلسلے کے عمال ہیں۔

اسی طرح دوسرے لوگ بھی جو کسی نہ طریقہ سے زکوٰۃ کے کسی کام سے متعلق ہوں گے، سبھی اس سے اُجرت لے سکتے ہیں حالانکہ اگر زکوٰۃ بھی نماز، روزہ، حج کی طرح کی عبادت ہوتی تو اس کی اُجرت لینی بھی جائز نہ ہوتی اور اس سے بھی بڑھ کر تو یہ امر ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک کافر یعنی غیر مسلم بھی عاملین زکوٰۃ بن سکتے ہیں: ومن ذلک قول الائمۃ الثلاثۃ انہ لا یجوز ان یکون عامل الصدقات عبداً ولا من ذوا القربی ولا کافراً مع قول احمد انہ یجوز۔ [۲۶] ائمہ اربعہ میں سے تین کے نزدیک غلام، حضور صلعم کے قرابتی اور کافر زکوٰۃ کے عاملین نہیں بن سکتے لیکن امام احمد بن حنبلؒ اسے جائز سمجھتے ہیں حالانکہ اس امر پر تو اجماع امت ہے کہ کسی عبادت کے لئے غیر مسلم کی خدمات سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں۔

(۲) غیر مکلّف پر زکوٰۃ کی فرضیت

تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عبادت صرف بالغ اور عاقل مسلمان پر فرض ہے۔ نابالغ اور مجنوں اس کے مکلّف نہیں ہیں۔ احناف کے مسلک کے مطابق چونکہ زکوٰۃ عبادت ہے، اس لئے ان کے نزدیک نابالغ اور مجنوں کے مال پر خواہ وہ کتنا ہی کثیر کیوں نہ ہو، کوئی زکوٰۃ نہیں۔ اس کے برعکس دوسرے فقہاء جو اسے عبادت شمار

---

[۲۴] ایضاً صفحہ ۱۹۵ [۲۵] نیل الاوطار جلد ۳ صفحہ ۱۸۰ [۲۶] میزان الکبری جلد ۲ صفحہ ۱۴۰

نہیں کرتے، ان کے نزدیک کیا نابالغ اور کیا مجنوں، سب کے مال پر زکوٰۃ فرض ہے۔ زمین کی زکوٰۃ کے بارے میں جسے اصطلاح میں عشر کہتے ہیں، احناف کا نقطہ نظر بھی دوسرے فقہاء سے ملتا جلتا ہے اور وہ بھی اسے قریب قریب ٹیکس ہی شمار کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں: ”وکذا الغالب فی العشر معنیٰ المؤنۃ ومعنی العبادۃ تابع“[27]۔
اور اس طرح زمین کی زکوٰۃ (عشر) میں غالب مفہوم ٹیکس کا ہے اور عبادت کا مفہوم اس کے تابع ہے۔

اس لئے زکوٰۃ کی اس صنف کے معاملہ میں وہ عبادت کے اس اصول پر عمل نہیں کرتے کہ غیر مکلف پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔ بلکہ یہاں وہ نابالغ اور مجنون پر زمین کی زکوٰۃ فرض قرار دیتے ہیں۔ یہاں تک بس نہیں بلکہ مساجد اور وقف سراؤں کی زمینوں پر بھی، جو عبادت کی مکلف نہیں ہیں، زمین کی زکوٰۃ فرض قرار دیتے ہیں۔ وکذلک الخارج من الاراضی الموقوفۃ علی الرباطات والمساجد یجب فیھا العشر عندنا۔[28] اسی طرح ہمارے نزدیک مساجد اور سراؤں کی وقف زمین پر بھی عشر فرض ہے۔ قارئین مکلف کے مفہوم کو تو جانتے ہوں گے یعنی مساجد اور سرائیں چونکہ عاقل بالغ مسلمان کی تعریف میں نہیں آتیں، اس لئے ان پر عبادت فرض نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے نام پر وقف ہوتی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان سے زکوٰۃ لی جا رہی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود احناف اس سے عبادت کا وہ مفہوم مراد نہیں لیتے، جو دوسری عبادت یعنی نماز روزہ اور حج کا ہے۔

(۳) مکلف کی زکوٰۃ میں اختلاف

عبادت ہر عاقل اور بالغ مسلمان پر فرض ہے۔ چاہے وہ غلام ہو یا آزاد۔ اس لئے زکوٰۃ اگر عبادت ہی ہو تو غلام کے مال پر بھی واجب ہو لیکن یہاں بھی اسی اصول کی بناء پر کہ یہ عبادت ہے یا نہیں؟ یہی اختلاف ہے کہ اس پر واجب ہوگی یا نہ ہوگی۔ کچھ فقہاء اس کے مال پر زکوٰۃ لازم قرار دیتے ہیں۔ اکثریت کے نزدیک اس پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔ علامہ ابن رشد فرماتے ہیں: واما العبید فان الناس فیھم علی ثلاثۃ مذاھب فقومٌ قالوا لا زکاۃ فی اموالھم اصلاً وھو قول ابن عمر وجابر من الصحابۃ ومالک واحمد وابی عبید من الفقھاء[29] غلاموں کی زکوٰۃ کے بارے میں تین مذہب ہیں۔ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ ان کے مال میں کوئی زکوٰۃ نہیں اور صحابہ میں سے یہی مسلک حضرت ابن عمرؓ، حضرت جابرؓ اور فقہاء میں سے امام مالکؒ، امام احمدؒ اور ابی عبید کا ہے۔ احناف کا بھی یہی مسلک ہے بلکہ ان کے نزدیک تو نیم آزاد غلام یعنی مکاتب پر بھی زکوٰۃ نہیں۔

---

[27] ہدایہ مع شرح فتح القدیر جلد ۱ صفحہ ۵۸۴۔ [28] المبسوط۔ علامہ سرخسی جلد ۳ صفحہ ۴، ۵۔

[29] بدایۃ المجتہد جلد ۲ صفحہ ۲۳۷۔

حالانکہ اس پر تمام عبادات فرض ہیں : ولیس علی المکاتب زکاۃ لانہ لیس بمالك من کل وجہ لوجود المنافی وھو الرق۔ [۳۰] مکاتب (نیم آزاد غلام) پر بھی کوئی زکوٰۃ نہیں کیونکہ وہ ہر لحاظ سے مال کا مالک نہیں اور اس میں مالکیت کے منافی غلامی کا وجود پایا جاتا ہے۔

(۴) لوگوں کا میل کچیل

رسول اللہ صلعم نے زکوٰۃ کو لوگوں کا میل کچیل قرار دیا ہے۔ اس لئے آپؐ نے بنی ہاشم کے لئے اس کا لینا ناجائز فرمایا بعض فقہاء اسی اصل کی بناء پر اسے غیر مسلموں کے لئے جائز قرار دیتے ہیں۔ علاّمہ شعرانی فرماتے ہیں : ووجہ کلام الزھری وابن شبرمۃ ان الزکاۃ وسخ المسلمین۔ فیجوز دفعھا الی الکفار لمناسبتھم الی الوسخ۔ [۳۱] امام زہریؒ اور امام ابن شبرمۃؒ نے اس اصول کی بناء پر کہ زکوٰۃ لوگوں کا میل کچیل ہے، اسے غیر مسلموں کے لئے جائز قرار دیا ہے کیونکہ یہ ان کے مطابق ہے۔ حالانکہ عبادت نہ تو لوگوں کا میل کچیل ہو سکتی ہے اور نہ کفار کے لئے جائز۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ امام زہریؒ اور امام شبرمۃؒ صاحب مذہب امام تھے اور اعلیٰ درجہ کے متقی۔ محض سیاسی وجوہات کی بناء پر ان کے مذہب کی ترویج نہ ہو سکی۔

(۵) کسی عبادت کے اقرار کے لئے حلف کی ضرورت نہیں۔

فقہ کا یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ کسی عبادت کے اقرار کے لئے حلف اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی شخص صرف یہ کہہ دے کہ میں نے نماز پڑھ لی ہے یا روزہ سے ہوں تو اس کی بات کو بغیر حلف اٹھانے کے قبول کیا جائے گا۔ لیکن زکوٰۃ کے سلسلہ میں بالاتفاق اس اصول پر عمل نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے لئے یا تو ادائیگی کی رسید دکھانی ہوگی یا حلف اٹھا کر تسلی کرانی ہوگی۔ حنفی مذہب کا فتویٰ بھی اسی کے مطابق ہے : والعبادات وان کان یصدق فیھا بلا تحلیف لکن تعلق بہ ھنا حق العبد وھو العاشر [۳۲]۔ عبادات میں قول بلا حلف قبول ہے لیکن زکوٰۃ میں چونکہ "عاشر" کا حق بھی ہے اس لئے اس میں حلف کے بغیر کوئی بات قابل قبول نہ ہوگی۔ یہ بھی خیال رہے کہ کبھی کبھی ہمارے علماء حضرات "عاشر" کے لفظی معنی ٹیکس اکٹھا کرنے والا کرتے ہیں۔

چونکہ حنفی مذہب کا یہ فیصلہ زکوٰۃ کے بارے میں ان کے مسلک سے ٹکراتا ہے۔ یعنی اگر وہ بھی دوسری عبادات کی طرح ایک عبادت ہے تو پھر اس میں حلف اٹھانے کی تخصیص کیوں۔ حالانکہ اسلام میں حلف اٹھانا پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ چنانچہ اس اختلاف نے حنفی مذہب ہی کے ایک امام ابو یوسف کو مجبور کیا کہ وہ حنفی مذہب کے

---

[۳۰] ہدایہ مع شرح فتح القدیر جلد ۱ صفحہ ۴۸۶۔ [۳۱] میزان الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۵ [۳۲] شرح فتح القدیر جلد ۱ صفحہ ۵۳۱۔

برخلاف فتویٰ دیں۔ انھوں نے فرمایا: لا یحلف لانہا عبادۃ [۳۳] کہ چونکہ یہ بھی عبادت ہے اس لئے اس کے لئے حلف اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ فقہاء کے اس فیصلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اکثریت اسے عبادت شمار نہیں کرتی۔

(۶) وقت کا تعین

خالص عبادت کے لئے وقت کا تعین ضروری ہے جیسا کہ نماز، روزہ، حج وغیرہ عبادات ہیں کہ اپنے وقت مقررہ پر ادا کی جاتی ہیں۔ ان کو اپنے مقررہ اوقات سے آگے پیچھے نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ زکوٰۃ کا عبادت ہونا یا نہ ہونے کا اثر یہاں بھی پڑتا ہے۔ جو فقہا اسے عبادت قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک یہ صرف مقررہ وقت پر ادا ہوگی اور جب بھی نصاب پر ایک سال کی مدت گزر جائے یہ ادا کی جائے۔ دوسرے فقہاء کے نزدیک یہ سالوں پہلے بھی ادا کی جا سکتی ہے اور بعد بھی۔ علامہ شوکانی لکھتے ہیں: والحدیثان یدلان علی انہ یجوز تعجیل الزکاۃ قبل الحول ولو بعامین والی ذلک ذھب الشافعی واحمد وابوحنیفۃ وبہ قال الھادی والقاسم۔ [۳۴]۔ یہ دونوں احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ سال گزرنے سے پہلے ہی زکوٰۃ دینی جائز ہے چاہے دو سال پہلے ہی کیوں نہ ادا کر دی جائے اور یہی امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام ابوحنیفہؒ کا مسلک ہے اور یہی امام الہادی، امام القاسم سے منقول ہے۔ اور اسی طرح اگر اسلامی حکومت مناسب خیال کرے تو کسی سے زکوٰۃ کی وصولی کو ایک دو سال تک مؤخر بھی کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً حضرت عمرؓ کے عہد حکومت میں حضرت عباسؓ کو جب کوئی ضرورت پیش آ گئی تو ان سے زکوٰۃ کی وصولی دو سال کے لئے مؤخر کر دی گئی: قال ابوعبید اری واللہ اعلم انہ اخر عنہ الصدقۃ عامین لحاجۃ عرضت للعباس وللامام ان یؤخر علی وجہ النظر ثم یاخذہ [۳۵] ابوعبید کہتے ہیں حضرت عباسؓ سے ان کی کسی ضرورت کی وجہ سے زکوٰۃ کو دو سال کے لئے مؤخر کر دیا گیا۔ اس لئے حاکم وقت اگر مناسب سمجھے تو ایسا کر سکتا ہے۔ حالانکہ دوسری عبادات کے بارے میں کوئی حاکم ایسا فیصلہ نہیں دے سکتا۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے قحط کی وجہ سے لوگوں سے دو سال بعد زکوٰۃ وصول کی۔ آجکل ٹیکس کی وصولی میں بھی انہی اصولوں کا لحاظ کیا جاتا ہے۔

(۷) نصاب پر سال گزرنے کی شرط

اکثر فقہاء کا یہ مسلک ہے کہ نصاب پر ایک سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ لی جائے گی۔ لیکن بعض اجلّ صحابہ کے نزدیک جونہی نصاب پورا ہو فوراً زکوٰۃ ادا کی جائے اور پھر سال گزرنے کے بعد دوسری دفعہ۔ علامہ شوکانی فرماتے ہیں:۔

---

[۳۳] ایضاً۔ [۳۴] نیل الاوطار جلد ۴ صفحہ ۱۶۰۔ [۳۵] ایضاً جلد ۴ صفحہ ۱۵۹

وذهب ابن عباس وابن مسعود والصادق والباقر والناصر وداؤد الی انّہ یجب علی المالک اذا استفاد نصاباً ان یزکیہ فی الحال [۳۶] حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن مسعودؓ، امام صادقؓ، امام باقرؓ، امام ناصرؓ اور امام داؤدؓ کا مسلک یہ ہے کہ جب ہی مال بقدر نصاب ہو جائے تو فوراً زکوٰۃ ادا کی جائے۔ صحابہ میں نصاب پر سال گزرنے کے بارے میں یہ اختلاف اس لئے ہے کہ اس کی تائید میں یا خلاف صحیح حدیث نہیں ملتی۔ افسوس ہے کہ اس مسلک کی تفاصیل نہیں مل سکیں کیونکہ اس امر کا بھی امکان ہے کہ سال میں جتنی دفعہ بقدر نصاب مال آئے اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے۔ جو دو دفعہ سے بھی زیادہ ہو سکتی ہے۔ تاہم امام مالک کا مسلک ان سے قریب قریب ہے۔ ان کے نزدیک بھی ایک زکوٰۃ تو فوری طور پر ادا کی جائے گی اور دوسری سال گزرنے کے بعد۔ یعنی سال میں دو دفعہ۔ موطا میں ان کا مسلک ان الفاظ میں منقول ہے۔ قال مالکؒ فی رجل کانت لہ خمسۃ دنانیر من فائدۃٍ او غیرها فتجر فیها فلم یأت الحول حتی بلغت ما تجب فیہ الزکاۃ انہ یزکیها۔ [۳۷] امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کے پاس پانچ دینار ہوں جس سے وہ تجارت کرے اور اس سے سال گزرنے سے پہلے نصاب پورا ہو جائے تو اس کی فوراً زکوٰۃ ادا کرے۔ اس طرح کی اور مثالیں دینے کے بعد فرماتے ہیں:۔ ثمّ لا زکوٰۃ فیها حتّی یحول علیها الحول من یوم زکیت۔ [۳۸] اس طرح فوری زکوٰۃ دینے کے بعد ایک سال گزرنے تک اس پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔

اب اس بارے میں فقہاء کے مسلک کو اس طرح سمجھیے (۱) عام فقہاء کے نزدیک نصاب پورا ہونے اور اس پر ایک سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ ہو گی۔ (۲) امام مالکؒ کے نزدیک جس دن نصاب پورا ہو گا، اس دن بھی زکوٰۃ دینی ہو گی۔ اور پھر سال گزرنے کے بعد بھی۔ یعنی پہلے مسلک کے مقابلے میں دو دفعہ۔ (۳) حضرت ابن عباسؓ اور ان کے ہم مسلک صحابہ کے مطابق جب ہی نصاب پورا ہو جائے تو زکوٰۃ واجب ہو گئی۔ اس کی کوئی تفصیلات منقول نہیں ہیں۔ کیونکہ نصاب تو سال میں کئی دفعہ کم زیادہ ہو سکتا ہے۔ اگر اسے اتنے تک ہی محدود سمجھا جائے جتنا کہ امام مالکؒ کا خیال ہے تو پھر بھی عام مسلک کے برعکس سال میں کم از کم دو دفعہ زکوٰۃ دینی ہو گی۔

اب دوسری عبادات میں ایسا کوئی اختلاف نہیں۔ علماء کرام کا بھی یہی دعویٰ ہے۔ ان کا دعویٰ بھی سن لیجیے۔ فرماتے ہیں: "جس طرح دوسری عبادات کی ہیئت تشریعی میں کوئی بھی متنفس تغیر و تبدل اور ترمیم و اضافہ نہیں کر سکتا۔ اس طرح زکوٰۃ، مدّات زکوٰۃ، نصاب زکوٰۃ، مقادیر زکوٰۃ اور مصارف زکوٰۃ میں بھی کسی تصرف و

---

[۳۶] ایضاً جلد ۴ صفحہ ۱۴۸۔ [۳۷] تنویر الحوالک شرح موطا امام مالک جلد ۱ صفحہ ۱۸۹ [۳۸] ایضاً۔

تبدل، ترمیم و اضافہ کو برداشت نہیں کیا جا سکتا"۔[۳۹]

معلوم نہیں زکوٰۃ کے بارے میں یہ بنیادی اختلاف بھی ان حضرات کی نظر سے گزرے ہیں یا نہیں۔

(۸) حکومت کو زکوٰۃ وصول کرنے کا حق

اس سلسلہ میں ہم لمبی عبارات نقل کرنے کی بجائے صرف وہی کچھ نقل کر دیتے ہیں، جو ہمارے علماء کے نزدیک مقبول ہے۔ مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی فرماتے ہیں:۔ حکومت کو اموال باطنہ کی زکوٰۃ کے مطالبہ کا حق نہیں (الا بضرورۃ شدیدۃ) بلکہ وہ صرف اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کی حق دار ہے۔ جیسے مویشیوں کی زکوٰۃ جو سال کے زیادہ حصے میں گھر پر نہیں بلکہ جنگل میں چرتے ہوں۔ اور ان تاجروں کے تجارتی مال کی زکوٰۃ جو ایک شہر سے دوسرے شہر میں لے جاتے ہوں او نہ باہر سے مال منگاتے ہوں۔ نیز عشری وخراجی زمینوں کا عشر وخراج بھی اموال ظاہرہ سے ہیں اور جو تاجر اپنے شہر ہی میں تجارت کرتا ہے نہ باہر سے مال منگواتا ہے نہ بھیجتا ہے اس کا تجارتی مال اموالِ باطنہ میں داخل ہے۔ اسی طرح جو نقد اور زیور کسی کے گھر میں ہے وہ بھی اموال باطنہ سے ہے۔ البتہ جو روپیہ بنک میں یا لمیٹڈ کمپنیوں میں ہے، اس کو اموال ظاہرہ میں داخل کیا جا سکتا ہے۔ اور حکومت کو اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق اسی وقت ہے جبکہ وہ ڈاکوؤں، چوروں سے ان اموال کی حفاظت کا انتظام کرتی ہو۔ اگر بد نظمی اور تعطل حدود کی وجہ سے لوگوں کے اموال محفوظ نہ ہوں تو حکومت کو مطالبۂ زکوٰۃ کا حق نہیں ہے۔"[۴۰]

حالانکہ عبادت میں ظاہر اور باطن کا کوئی فرق نہیں۔ خود مولانا کے اس ظاہر اور باطن کے فرق سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ زکوٰۃ عبادت ہے اور کچھ جو حکومت وصول کرے، ٹیکس ہے اور حکومت بھی صرف جان ومال کی حفاظت کے بدلے وصول کرے گی حالانکہ عبادت کسی دنیاوی فائدہ کے بدلے نہیں کی جاتی۔

(۹) زمین کا خراج وعشر

احناف نے زکوٰۃ کو عبادت قرار دینے کے باوجود زمین کی زکوٰۃ کے بارے میں دوسرا مسلک اختیار کیا۔ حالانکہ صاف بات تھی کہ اگر زکوٰۃ عبادت ہے اور خراج ٹیکس تو مسلمانوں کو تو ہر حالت میں زمین کی زکوٰۃ (عشر) ہی دینی پڑتی اور غیر مسلموں کو خراج۔ لیکن یہاں وہ اور مسلک اختیار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ زمین کی زکوٰۃ کے سلسلے میں اصل چیز ٹیکس ہے اور عبادت کا مفہوم تو اس کے تابع ہے۔ الغالبُ فی العشرِ معنی المؤنۃِ ومعنی العبادۃ تابعٌ۔[۴۱] زمین کی زکوٰۃ میں غالب مفہوم ٹیکس کا ہے اور عبادت کے معنی تو اس کے تابع ہیں۔ چنانچہ

---

[۳۹] ماہنامہ بینات کراچی ربیع الاوّل ۱۳۸۶ھ صفحہ ۵۷۔ [۴۰] ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور جلد ۳۴ عدد ۵ صفحہ ۶۷/۶۸ [۴۱] ہدایہ مع شرح فتح القدیر جلد ا صفحہ ۴۸۵

اس کے بعد حنفی فقہ میں جو تفصیلات ملتی ہیں، ان میں وہ عشر اور خراج کو تقریباً ایک ہی مفہوم میں لیتے ہیں مثلاً مسلمان اگر خراجی زمین خریدے گا تو اسے بھی عشر کی بجائے خراج ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر کوئی غیر مسلم عشر والی زمین خریدے گا تو امام محمدؒ کے نزدیک اسے خراج کی بجائے عشر دینا ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اسے دوگنا عشر اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خراج۔ دو چار اقوال ملاحظہ ہوں۔

(۱) اگر کوئی مسلمان عشر والی یا خراج والی زمین خریدے گا تو اسے زمین کے حکم کے مطابق عشر یا خراج دینا ہوگا۔ اور اگر وہ بنی تغلب کی زمین ہے تو پھر دوگنا عشر لازم ہے[۴۲]۔

(۲) امام محمد کے نزدیک اگر بنی تغلب کا کوئی شخص کسی مسلمان سے عشری زمین خریدے گا تو اسے اس قبیلہ کی زکوٰۃ کے حکم کے مطابق دوگنا عشر نہ دینا ہوگا بلکہ صرف وہی ایک عشر جو مسلمان اس زمین کے لئے ادا کرتا تھا[۴۳]۔

(۳) اگر مسلمان کسی غیر مسلم کی زمین خریدے گا تو امام ابو یوسف کے نزدیک خراج کی بجائے دوگنا عشر دے گا اور اس کے مصارف بھی وہی ہوں گے، جو خراج کے ہیں۔[۴۴]

(۴) اگر کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کی زمین خریدے تو اس پر عشر کی بجائے خراج ہو جائے گا۔ اب اگر کچھ عرصہ کے بعد کوئی اور مسلمان اس غیر مسلم سے وہ زمین دوبارہ خرید لے تو پھر بھی اس کو عشر کی بجائے خراج ہی دینا ہوگا۔[۴۵]

زمین کی زکوٰۃ کا خراج میں بدل جانا اور خراج کا زمین کی زکوٰۃ میں بدل جانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خراج اور زکوٰۃ کے درمیان گہرا تعلق ہے۔

(۱۰) بعض اصناف کی زکوٰۃ میں اختلاف

کسی ملک کی آبادی میں اکثریت متوسط طبقہ کی ہوتی ہے۔ ان لوگوں کے پاس جو تھوڑی بہت پونجی ہوتی ہے، وہ زیورات کی شکل میں ہوتی ہے کہ خوشی کے موقعوں پر ان سے زینت کا کام لیا جائے اور مشکل اوقات میں وہ مالی سہارا ہوں۔ جمہور فقہاء کے نزدیک ایسے زیوروں پر کوئی زکوٰۃ نہیں لیکن احناف ان پر زکوٰۃ واجب قرار دیتے ہیں[۴۶]۔ اب فقہاء کے ایک فیصلہ کی رو سے کروڑوں انسانوں پر عبادت واجب ہو جاتی ہے۔ اور دوسرے فیصلہ کے مطابق کروڑوں انسانوں پر یہ عبادت لازم نہیں آتی۔ اسی طرح ایک دوسری صنف ملاحظہ ہو: جمہور فقہاء کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ کپاس پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔ واتفقوا علی انہ لا زکوٰۃ فی القطن وقال ابو یوسف

---

[۴۲] شرح فتح القدیر جلد ۲ صفحہ ۹ [۴۳] ایضاً [۴۴] ایضاً صفحہ ۱۰ [۴۵] ایضاً صفحہ ۱۰، ۱۱

[۴۶] الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد ۱ صفحہ ۴۸۲۔

بوجوبہا [۴۷] جمہور فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ کپاس پر کوئی زکوٰۃ نہیں لیکن امام ابو یوسف نے اس پر زکوٰۃ عائد کرنے کا فتویٰ دیا۔

کپاس کی جنس سے ملتی جلتی جنس پٹ سن کی ہے۔ ہمارے ملک میں کروڑوں انسانوں کی معیشت کا دارمدار ان دو اجناس پر ہے۔ اب جمہور فقہاء کے فیصلہ کے مطابق ان کروڑوں انسانوں پر کوئی زکوٰۃ نہیں یعنی وہ اس عبادت سے مستثنیٰ قرار پائیں گے لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک یہ عبادت ان پر فرض ہوگی۔ اسی طرح تمام ائمہ کے نزدیک گھوڑوں پر کوئی زکوٰۃ نہیں لیکن امام ابو حنیفہؒ اسے لازم قرار دیتے ہیں۔ اس طرح کے اور بھی کئی نظائر ہیں۔ کیا دوسری عبادات میں بھی اتنا اختلاف ملتا ہے کہ بعض فقہاء کے فیصلوں سے کروڑوں انسانوں پر عبادت فرض ہو جائے اور بعض دوسرے فقہاء کے فیصلوں کے مطابق معاف ہو جائے۔

(۱۱) کارخانوں اور مکانوں کی زکوٰۃ

اس بارے میں ایک بزرگ عالم فرماتے ہیں:۔ "کارخانوں یا فیکٹری کی مشینری اور عالی شان عمارات پر جو مولوی صاحبان زکوٰۃ کے وجوب کا انکار کرتے ہیں تو اس کی وجہ سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی واضح اور اصولی ہدایات ہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "بوجھ لادنے والے اونٹوں پر، زمین میں ہل چلانے والے بیلوں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ اس طرح آب کشی اور آب پاشی کرنے والے اونٹوں پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ (بحوالہ فتح القدیر)۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک شخص اپنے کاروبار میں جن عوامل پیداوار سے خواہ جانور ہوں، خواہ آلات و اوزار، خواہ مشینیں، کام لیتا ہے، ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔" [۴۸] اب اگر اس دلیل سے کارخانہ داروں کو اس عبادت سے محروم کیا جا رہا ہے تو یہ کوئی متفقہ فیصلہ نہیں۔ امام مالکؒ کا فیصلہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ ان کے نزدیک ہر قسم کے مویشیوں پر چاہے وہ بوجھ اٹھانے والے ہوں یا آب کشی کے لئے، سب پر زکوٰۃ واجب ہے۔ قالوا لا یشترط فی وجوب الزکوٰۃ النعم السوم فتجب الزکاۃ فیہا متی بلغت نصاباً سواءً اکانت سائمۃً ام معلوفۃً ولو فی جمیع السنۃ وسواءً کانت عاملۃً او غیر عاملۃ [۴۹]۔ مالکیہ کے نزدیک مویشیوں پر زکوٰۃ کے لئے چراگاہوں میں چرنے کی شرط نہیں۔ چاہے انہیں سارا سال گھر باندھ کر کھلایا جائے یا چراگاہوں میں چرایا جائے اور چاہے وہ کام کے لئے ہوں یا نہ ہوں، ان سب پر زکوٰۃ واجب ہے۔

---

[۴۷] المیزان الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۵۔ [۴۸] ماہنامہ بیّنات کراچی ربیع الاوّل ۱۳۸۶ھ صفحہ ۵۷-۵۸

[۴۹] الفقہ علی المذاہب الاربعۃ جلد ۱ صفحہ ۴۷۷

یہ بھی خیال رہے کہ امام مالک جس معاملہ میں فتویٰ صادر فرماتے تھے، اس پر تقریباً ستر فقہاء مدینہ کا اتفاق ہوتا تھا۔ اب اگر مولوی صاحبان کے استدلال کو بنیاد بنایا جائے تو امام مالک کے مسلک کے مطابق کارخانہ داروں پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ یہ بھی کتنی عجیب بات ہوگی کہ دنیا کے کسی حصے میں وہاں کے مسلمانوں پر یہ عبادت واجب ہوگی جبکہ دوسرے حصّوں میں ان سے معاف ہوگی۔

ان تمام نظائر سے امام شافعیؒ اور دوسرے سلف صالحین کی جو زکوٰۃ کو عبادت تصوّر نہیں کرتے، تائید ہوتی ہے۔ لیکن ہم حیران ہوتے ہیں کہ ائمہ مجتہدین اور سلف صالحین سے زکوٰۃ کے عبادت ہونے یا نہ ہونے کی بابت اتنی لمبی چوڑی بحثیں منقول ہیں اور آج کل بعض مفتی صاحبان یہ فیصلہ صادر فرما رہے ہیں:۔

> " یاد رکھیئے امت میں سب سے پہلا کلی اور قطعی اجماع زکوٰۃ کو ٹیکس کہنے والوں کے کفر و ارتداد پر ہوا ہے اور سب سے پہلا قتال و جہاد زکوٰۃ کو ٹیکس کہنے والوں کے ساتھ ہی کیا گیا ہے۔" [۵۰]

اسلام کے ان عظیم مفتیوں کو اتنا خیال بھی نہ ہوا کہ ان کے ان غیر ذمہ دارانہ فتویٰ کا اثر کن کن ہستیوں پر جا کے پڑتا ہے۔ حالانکہ ٹیکس تو ہلکا لفظ ہے۔ امام شافعیؒ نے زکوٰۃ کے لئے جو الفاظ استعمال کئے ہیں یعنی غرامۃٌ مالیۃٌ۔ وہ اس سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ خود حنفی فقہاء نے اسے محسوس کیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔ فی ھذا اللفظ ترک الادب لان الزکاۃ لیت بغرامۃٍ۔ اس لفظ کے استعمال میں بے ادبی ہے کیونکہ زکاۃ جرمانہ نہیں ہے [۵۱]

ان حضرات کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ جن لوگوں کے خلاف صدّیق اکبر نے جہاد کیا تھا، ان میں اکثریت زکوٰۃ دینے کی منکر نہ تھی۔ وہ صرف حکومت کو زکوٰۃ نہیں دینا چاہتے تھے اور اسے انفرادی طور پر خرچ کرنا چاہتے تھے۔ ایک اہلِ علم کی زبانی اس کی تفصیل سنیئے۔ فرماتے ہیں:۔

> " خلیفہ اوّل نے جن مانعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کا اعلان فرمایا تھا، وہ کوئی ایک ہی قسم کے لوگ نہیں تھے بلکہ کچھ تو ایسے مرتدین تھے، جو زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ پورے دین کا قلادہ گردنوں سے اتار چکے تھے اور کچھ وہ تھے جو زکوٰۃ روکنا چاہتے تھے اور ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی تھا جو سارے دین کو قائم رکھنا چاہتے تھے اور زکوٰۃ دینے سے منکر نہیں تھے۔ مگر ان کا کہنا یہ تھا کہ ہم اپنی زکوٰۃ بطور خود جمع و خرچ کریں گے۔ ابو بکرؓ کے عاملوں کو نہیں دیں گے۔" [۵۲]

---

[۵۰] ماہنامہ بیّنات کراچی ربیع الاوّل ۱۳۸۶ھ صفحہ ۴۳۔ [۵۱] شرح فتح القدیر حاشیہ سعدی جلبی جلد ۱ صفحہ ۴۸۳

[۵۲] توضیحات۔ امین احسن اصلاحی صفحہ ۲۸۴۔

اس تیسرے گروہ کے متعلق حضرت ابوبکر رضؓ نے اپنے عاملوں کو یہ ہدایت دی تھی۔ "اور تیسرے گروہ کے متعلق بھی بالتصریح یہ ارشاد فرمایا کہ اس زکوٰۃ میں سے جسے یہ لوگ رسول اللہؐ کو دیا کرتے تھے، اگر اونٹ باندھنے کی رسی بھی روکیں گے تو ان کے خلاف جنگ کی جائے گی۔[۵۳]

اب قارئین خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ مفتی صاحب نے اوپر کا فتویٰ دیتے وقت کتنی دیانت داری سے کام لیا ہے اور پھر ان کے فتوے کی ضرب کہاں کہاں تک جا پڑی ہے۔

زکوٰۃ کے مصارف

زکوٰۃ کے مصارف کو اگر سامنے رکھا جائے تو اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ اسلامی حکومت چلانے کا ایک رکن ہے۔ زیادہ تفصیلات میں جانے کا تو موقع نہیں، صرف ایک دو اصناف میں جو اختلاف ہے، اس کو سامنے رکھا جائے تو معاملہ کے سمجھنے میں کافی مدد مل جاتی ہے۔

فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے۔

کسی ملک کی سب سے اہم ضرورت اس کا اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے دفاع ہوتا ہے اور اسی پر سب سے زیادہ اخراجات اٹھتے ہیں۔ آج بھی کسی ملک کے اخراجات کا بڑا حصہ اسی مد میں جاتا ہے۔ جمہور فقہاء کے نزدیک کسی ملک کے دفاع کے تمام اخراجات زکوٰۃ سے پورے کئے جا سکتے ہیں چاہے تنخواہ لینے والا امیر کبیر ہی کیوں نہ ہو۔ اسی میں سے ہر قسم کا اسلحہ خریدا جا سکتا ہے اور غیر مسلم جاسوس بھی ملازم رکھے جا سکتے ہیں۔ مثال کے لئے امام مالک کا مسلک ملاحظہ ہو۔ والمجاھد یعطی من الزکاۃ ان کان حراً مسلماً غیر ھاشمی ولو غنیاً ویلحق بہ الجاسوس ولو کافراً ویصح ان یشتری من الزکاۃ سلاحٌ وخیلٌ للجھاد[۵۴] مسلمان مجاہد غیر ہاشمی چاہے وہ امیر ہی کیوں نہ ہو، اس پر زکوٰۃ سے خرچ ہوگا اور اسی میں جاسوس بھی شامل ہے چاہے وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو۔ اور زکوٰۃ سے جہاد کے لئے ہتھیار اور گھوڑے وغیرہ خریدنے صحیح ہیں۔

آج کل کی ضروریات کے مطابق جہاد کے تمام اخراجات اس مد سے پورے کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن حنفیہ کا مسلک اس کے برعکس ہے۔ وہ اس طرح خرچ کی عام اجازت نہیں دیتے۔ صرف اسی جہاد کرنے والے کے لئے جائز قرار دیتے ہیں جو صاحب نصاب نہ ہو یعنی فقیر و مسکین ہو۔

مؤلفۃ القلوب ملک کے دفاع کا دوسرا طریقہ یہ تھا کہ پولیٹیکل خرچ کے ذریعے بااثر لوگوں کو قابو میں رکھا

---

[۵۳] ایضاً صفحہ ۲۸۵ - [۵۴] الفقہ علی المذاہب الاربعۃ جلد ۱ صفحہ ۵۰۴

جائے۔ امام احمد بن حنبل نے بڑے مختصر الفاظ میں تمام فقہاء کی ترجمانی کی ہے۔ والمؤلف ھو السید المطاع فی عشیرتہ ممن یرجی اسلامہ او یخشی شرہ او یرجی قوۃ ایمانہ او اسلام نظیرہ من الکفار او یحتاج الیہا فی جبایتہا ممن لا یعطیہا۔ [۵۵] اور جس کی تالیف قلب کی ضرورت ہے، وہ کوئی قبیلہ کا سردار ہو جس کے اسلام لانے کی امید ہو یا اس کے شر کے خدشہ سے بچنے کے لئے یا اس سے اس کی قوتِ ایمان میں اضافہ ہو یا اس کے اسلام کو دیکھ کر کسی غیر مسلم سردار کے ایمان لانے کا امکان یا کہیں سے ٹیکس وصول کرنے میں اس کی امداد جو لوگ نہ دے رہے ہوں۔

حنفی فقہائے کے مطابق زکوٰۃ کا یہ مصرف بھی ختم ہو چکا ہے کیونکہ اسلام کو طاقت اور غلبہ حاصل ہو چکا ہے۔ حالانکہ صاحب علم جانتے ہیں کہ طاقت اور غلبہ کے باوجود بھی اس پولٹیکل خرچ کی ضرورت ہمیشہ باقی رہی ہے۔

صدر اسلام میں قاضیوں کو چھوڑ کر باقی تمام ملازمین کے اخراجات زکوٰۃ سے پورے ہوتے تھے۔ غیر مسلموں سے جو جزیہ و خراج وصول ہوتا تھا، وہ بھی انہی مدوں پر استعمال ہوتا تھا۔ جمہور فقہاء نے قاضیوں کو بھی عاملین زکوٰۃ کی طرح زکوٰۃ کا حق دار قرار دیا ہے۔ والذین اجازوھا للعامل وان کان غنیاً اجازوھا للقضاۃ ومن فی معناھم ممن بھم المنفعۃ عامۃ المسلمین۔ [۵۶] اور وہ فقہاء جنہوں نے دولت مند عامل کے لئے زکوٰۃ کا لینا جائز قرار دیا ہے اور انھوں نے قاضی اور اس قسم کے دوسرے سرکاری ملازمین کو جن سے عامۃ المسلمین کو فائدہ پہنچتا ہے، اس کا حق دار قرار دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ صرف ان مختصر تصریحات میں اس وقت کی اسلامی حکومت کے تمام ملازمین اس میں آجاتے ہیں، جن کے اخراجات زکوٰۃ کی مد سے پورے ہوتے تھے۔ اب اسے جس نام سے پکار لیا جائے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ اخراجات جزیہ اور خراج سے بھی پورے کئے جاتے تھے۔ لیکن متقی ملازمین ایسے مال کو ہاتھ بھی نہیں لگاتے تھے، ان کی دلیل یہ تھی :- انھا اوساخ الکفار ومن کسبھم لھا بالربا والمعاملات الفاسدۃ [۵۷] جزیہ اور خراج کفار کی میل کچیل ہے جو انھوں نے سودی اور دوسرے ناجائز کاروبار سے کمایا ہے۔

ان تمام دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سلف صالحین میں سے جو زکوٰۃ کو عبادت تصور نہیں کرتے، ان کا مسلک مضبوط بنیادوں پر قائم ہے۔ اور اگر اسلامی حکومت کے کسی عملی نظام میں اسے اختیار کر لیا جائے تو وہ ہرگز خلاف اسلام نہ ہوگا۔ خاص طور پر جب کہ دوسرا مسلک زمانے کے تقاضوں کو احسن طریقہ سے پورا نہ کر سکتا ہو۔

---

[۵۵] ایضاً صفحہ ۵۰۲ [۵۶] بدایۃ المجتہد جلد ۱ صفحہ ۲۶۷ [۵۷] المیزان الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۵